حکیم عبدالرحمٰن خلیق

عمرو بن العاص رض

وہ مجرم جس نے کوئی جرم نہیں کیا

جس کی تاریخی عظمت سیاسی اور گروہی تعصب کی نذر ہو گئی

اگلا قدم ـــ تحکیم یا ثالثی

جنگ بندی کا یہ اعلان ایک عارضی عرصہ کے لیے تھا اور اس کی بنیاد یہ تھی کہ فریقین اپنی اپنی طرف سے ایک ایک کارفرما اہل فکر و نظر معتمد شخص کو بطور حَکَم یا ثالث مقرر کریں گے جو قرآن کریم کی روشنی میں مسئلہ مابہ النزاع پر اپنا فیصلہ صادر کریں گے۔ حکمین کی اعانت اور مشاورتی آسانیوں اور ضرورتوں کے لیے فریقین کے چار چار سو آدمی اپنے اپنے مقرر کردہ حَکَم کے ہمراہ مجلس گفتگو میں موجود رہیں گے اور ساتھ ہی یہ بات بھی طے ہو گئی تھی کہ حکمین کا فیصلہ جو کچھ بھی ہو علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو ہی بہر حال قبول کرنا ہو گا۔

اس قرارداد کے بموجب حضرت علیؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اور حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو اپنی اپنی طرف سے بطور حَکَم مقرر کیا۔ ثالثوں کا انتخاب اور مجلس گفتگو کی تشکیل ہو چکی تو حکمین نے ایک تحریر پر حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے دستخط لیے جو بطور اقرار نامہ ثالثی ہمارے سامنے ہے۔ اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے:۔

”یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر علیؓ اور معاویہؓ نے اتفاق کیا ہے۔ علیؓ نے اہل کوفہ اور اپنے دوسرے ہمراہیوں کی طرف سے ابو موسیٰ اشعریؓ کو اور معاویہؓ نے اہل شام اور اپنے دوسرے ہمراہیوں کی طرف سے عمروؓ بن العاص کو حَکَم مانا ہے

ہم دونوں (علیؓ اور معاویہؓ) اقرار کرتے ہیں کہ اپنے معاملہ کو خدا کی کتاب قرآن کریم کے

سپرد کرتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ ہم اس کو زندہ کریں گے جس کو خدا کی کتاب نے زندہ کیا ہے اور اسے ماریں گے جس کو خدا کی کتاب نے مارا ہے بس حکمین (ابو موسیٰؓ اور عمروؓ بن العاص) بھی کتاب اللہ کی روشنی میں ہی ہمارے جھگڑے کا فیصلہ کریں ہاں اگر کوئی بات کتاب اللہ میں نہ مل سکے تو اس کے لیے وہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کریں گے۔

اس کے بعد حکمین نے حضرت علیؓ اور معاویہؓ اور ان کے حمائتی عساکر سے اس امر کا تحفظ حاصل کیا کہ وہ اپنے خلاف کسی فیصلہ کی صورت میں ثالثوں یا ان کے اہل وعیال اور اموال واملاک سے کوئی تعرّض نہیں کریں گے۔

اس کے بعد خود ثالثوں سے بھی سب کے سامنے یہ اظہار کیا گیا کہ وہ کسی بھی فریق کی حمایت نہ کرتے ہوئے اپنے فیصلے میں محض کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی پیش نظر رکھیں گے اور اپنی حد تک وہ اپنی تمامتر مساعی کو امت کا فساد مٹانے کے لیے صرف کر دیں گے۔

حکمین کو فیصلہ کے اعلان تک کم وبیش چھ ماہ کا عرصہ دیا گیا اور باہمی مشورہ سے یہ بات طے پا گئی کہ ثالث رمضان تک اپنے فیصلہ کا اعلان کر دیں گے تاہم انہیں یہ اختیار بھی دے دیا گیا کہ اگر وہ رمضان المبارک سے قبل بھی کسی وقت اپنا فیصلہ سنا سکیں تو انہیں ایسا کرنے کا اختیار ہے اور وہ اس غرض سے قبل رمضان بھی فریقین کو طلب کر سکیں گے۔ ضمناً یہ امر بھی طے کر لیا گیا کہ فیصلہ کا اعلان سننے کے لیے فریقین کو کسی ایسے مقام پر جمع کیا جائے گا جو فریقین کو تقریباً درمیان میں پڑے۔ چنانچہ باہمی غور وفکر کے بعد اس غرض ؓ دومۃ الجندلؓ کے مقام کو پسند کیا گیا۔ پھر یہ سارے ہی امور جو یکے بعد دیگرے طے ہوئے تھے ایک دستاویز کی صورت میں لکھ لیے گئے اور اس پر بطور معاہدۂ جنگ فریقین کے اکابر وقائدین اور مختلف گروہی اور جماعتی نمائندوں نے اپنے دستخط ثبت کیے اور دونوں فریق اپنے اپنے مقامات کو واپس لوٹ گئے۔

مجلسِ گفتگو

مہلت اپنے اختتام تک پہنچی تو حسب قرار داد حضرت علیؓ کی طرف سے ان کے منظور کردہ حکم — حضرت ابو موسیٰ اشعری اپنے چار سو ہمراہیوں سمیت جن پر حضرت علیؓ نے حضرت شریحؓ بن ہانی کو افسر مقرر کیا تھا دومۃ الجندلؓ کی طرف روانہ ہو گئے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ان لوگوں کے امام نماز بن کر ہمراہ تشریف لے گئے۔

دوسری جانب سے عین اسی وقت حضرت امیر معاویہؓ کے نامزد ثالث حضرت عمروؓ بن العاص بھی اپنے چار سو ساتھیوں کے ہمراہ نکلے اور مقررہ مقام کی طرف روانہ ہو گئے اور بالآخر یہ سب لوگ "دومۃ الجندل" کے متصل "اذرح" نامی ایک جگہ پہنچ کر ایک مناسب صاف اور کھلی جگہ میں قیام پذیر ہو گئے۔

اہل فکر و نظر کے اس عظیم اجتماع میں جو عالم اسلام کے ایک عظیم آشوب کا فیصلہ کرنے کی غرض سے منعقد ہوا تھا۔ اسلام کی انتہائی قد آور شخصیتیں اور لائق اعتماد فکر و نظر کے حامل افراد شامل تھے جن میں معززاور اہل فکر و تدبر حکمین حضرات (ابوموسیٰؓ اور عمروؓ بن العاص) کے علاوہ حضرت شریحؓ بن ہانی حضرت عبداللہؓ بن عباس حضرت شرحبیلؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمر، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، حضرت عبداللہؓ بن زبیر، حضرت سعدؓ بن وقاص، حضرت عبدالرحمٰن بن حارث اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جیسے بلند مرتبہ اہل الرائے عظیم مفکرین اور اکابر صحابہ موجود تھے۔ تاہم مسئلہ زیر بحث پر گفتگو صرف دونوں حکمین نے ہی کی اور یہ سب بزرگ اس گفتگو کے نتیجہ میں حکمین کے متفقہ فیصلہ کے عینی گواہ بن گئے۔

بات کو ٹھیک طور پر سمجھنے اور کسی معقول نتیجہ پر پہنچنے کے لیے زیادہ مناسب یہی ہے کہ آپ حکمین حضرات کی گفتگو تاریخ کی زبان سے اپنے کانوں ہی سن لیں مبادا راہ کا کوئی خلافہم مطلب میں مزاحم ہو اور ذہن کی وہ گرہیں نہ کھل سکیں جنہیں صدیوں سے سرگرم کار بوجہل معاندانہ روایات کے ہجوم نے بڑے ہی اہتمام سے تخلیق بخشی ہے۔

جب مجلس جم چکی تو حضرت عمروؓ بن العاص نے بات اٹھائی۔ آپ بھی سنیے۔

عمروؓ دیکھیے حضرت! ہم اس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ علیؓ اور معاویہؓ کے جھگڑے پر غور کریں اور پھر قرآن کریم کی بخشی ہوئی شمع ہدایت کی روشنی میں جو فریق غلطی پر ثابت ہو اس کی غلطی اس پر برملا واضح کریں اور اسے تنبیہ کریں تاکہ وہ صحیح راہ کو اختیار کرے اور جو فریق حق پر ہے اور سیدھی راہ پر چل رہا ہے۔ اس کی امداد کریں۔

ابوموسیٰؓ ہاں یہی حق ہے اور اس کے علاوہ ہمارا یہ فرض بھی ہے کہ اس نزاع کو مٹا کر امت کو خلفشار سے بچائیں اور اس کی صحیح رہنمائی کریں۔

عمروؓ آپ نے ٹھیک فرمایا ہے اور مناسب ہے کہ ہم جس بات کو باتفاق طے کر لیں اسے ساتھ ہی ساتھ ضبط تحریر میں بھی لاتے جائیں تاکہ بعد ازاں کسی سہو پر بھی نزاع کی گنجائش باقی نہ رہ سکے۔

ابوموسیٰؓ ہاں یہ نہایت ہی احسن بات ہے

اس مرحلہ پر عمروؓ نے ابوموسیٰؓ کی منظوری سے اپنے ایک پڑھے لکھے غلام کو بلایا اور ہدایت کی کہ جس بات پر ہم دونوں متفق ہو جائیں اور پھر تمہیں ہم دونوں ہی لفظاً اس بات کے لکھنے کا حکم دیں تم اسے لکھتے جاؤ۔ ابوموسیٰؓ نے عمروؓ کی اس بات کی تصدیق کی غلام نے لکھنے کی تیاری کی اور پھر بات یوں آگے چلی۔

عمروؓ (غلام سے مخاطب ہو کر) لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ وہ فیصلہ ہے جسے ابوموسیٰؓ عبداللہ بن قیس اور عمروؓ بن العاص نے باہمی تعاون سے طے کیا ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ ایک ہے اور لاشریک ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں اور اس کے بندے ہیں جن کو اس نے دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے تاکہ وہ دین اسلام کو دوسرے تمام دینوں پر غالب کر دیں اگرچہ یہ امر مشرکوں کو کتنا بھی ناگوار ہو۔

(غلام نے ابوموسیٰ کی طرف دیکھا۔)

ابوموسیٰؓ ہاں عمروؓ نے ٹھیک کہا ہے۔ یہ بات لکھ لو۔

عمروؓ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ابوبکرؓ حضور علیہ السلام کے ارشد خلیفہ تھے اور انہوں نے اپنی خلافت کی نہاد کتاب و سنت پر استوار کی تھی اور آخری سانس تک اسی کے مطابق ہی عمل کیا۔ اسلام اور مسلمانوں کا جو حق ان کے ذمے تھا انھوں نے اسے پورے طور پر ادا کیا ہے۔

ابوموسیٰؓ بے ریب یہ بات بھی عین حق اور بالکل درست ہے۔

عمروؓ ابوبکر کے بعد عمرؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ویسے ہی ارشد خلیفہ تھے جیسے ابوبکرؓ اور انہوں نے بھی اپنی پوری زندگی کتاب و سنت کے مطابق ہی گزاری ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے حقوق کو ٹھیک ٹھیک ادا کیا ہے

ابوموسیٰؓ ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔

عمروؓ عثمانؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشد خلیفہ ہی تھے جن کو عمرؓ کی وصیت کے مطابق مجلس شوریٰ نے بطور خلیفہ رسولؐ منتخب کیا اور سارے صحابہؓ نے بخوشی ان کی بیعت کی اور وہ سچے مومن تھے۔

ابوموسیٰؓ دیکھو عمروؓ! ہم یہاں کسی شخص کے ایمان یا کفر کا فیصلہ کرنے نہیں بیٹھے اور ہمیں اس بات پر مغز

کھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ کون مومن تھا اور کون کافر؟

عمروؓ کیا آپ کے نزدیک عثمانؓ مومن نہیں تھے؟

ابوموسیٰؓ مجھے اس سے انکار تو نہیں ہے (پھر غلام سے فرمایا) اچھا لکھو عثمانؓ مومن تھے۔

عمروؓ جن لوگوں نے خلیفہ رسولؐ عثمانؓ کو جو مومن تھے ناحق قتل کیا ہے۔ وہ ظالم تھے اور عثمانؓ بے ریب مظلوم مارے گئے ہیں۔

ابوموسیٰؓ ہاں عثمانؓ یقیناً مظلوم ہی مارے گئے ہیں اور مجھے اس سے ہرگز انکار نہیں ہے۔

عمروؓ (ابوموسیٰؓ سے) کیا قرآن کریم نے مظلوم کے ولی کو قصاص طلب کرنے کا حق نہیں دیا ہے؟

ابوموسیٰؓ یقیناً قرآن کریم نے مقتول کے وارث کو یہ حق دیا ہے۔

عمروؓ کیا معاویہؓ سے بڑھ کر کوئی عثمانؓ کا ولی موجود ہے؟

ابوموسیٰؓ نہیں!

عمروؓ پھر کیا اب معاویہؓ کو یہ حق حاصل ہے یا نہیں کہ وہ عثمانؓ کے قاتلوں کا مطالبہ کریں خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں ہوں؟

ابوموسیٰؓ ہاں معاویہؓ کو یہ حق حاصل ہے۔

عمروؓ اس بات کا پورا پورا ثبوت موجود ہے کہ قاتلانِ عثمانؓ اب تک علیؓ کے لشکر میں موجود ہیں اور ان سے کوئی پوچھ گچھ تک نہیں کی گئی۔

ابوموسیٰؓ میرے خیال میں ہمیں ان امور پر بحث کی بجائے وہ راہیں تلاش کرنے کی ضرورت ہے جن پر چل کر ہم اسلام اور مسلمانوں کی کوئی بہتر خدمت کر سکیں جس نے عالمِ اسلام کو ششدر کر رکھا ہے۔

عمروؓ آپ ہی رہنمائی فرمائیے۔

ابوموسیٰؓ میں تو پورے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ خواہ کوئی بھی صورت ہو نہ عراقی کبھی معاویہؓ کی سیادت کو مانیں گے اور نہ شامی ہی کبھی علیؓ کی قیادت پر راضی ہوں گے۔

عمروؓ پھر آپ کے نزدیک کیا کرنا چاہیے؟

ابوموسیٰؓ میں تو سمجھتا ہوں کہ ہم علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو ہی معزول کر دیں اور حکومت کی باگ ڈور

عبداللہؓ بن عمرؓ کے ہاتھ میں دے دیں۔

عمروؓ مجھے عبداللہ بن عمرؓ والی بات سے اختلاف ہے اگرچہ میں ان کی پرہیزگاری ان کی نیکی تقویٰ اور طہارت کا منکر نہیں ہوں۔

ابوموسیٰؓ تو چلو یہ معاملہ امت کے اہل الرائے اصحاب پر چھوڑ دیں، جسے چاہیں اپنا حاکم منتخب کریں۔

عمروؓ ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔

ابوموسیٰ (غلام سے) لکھو کہ ہم دونوں (ابوموسیٰ اور عمروؓ بن العاص) اس بات پر متفق ہیں کہ علی اور معاویہ کو معزول کر دیا جائے اور لوگ جسے چاہیں اپنا خلیفہ بنالیں۔

(عمروؓ نے تصدیق کی اور غلام نے ثالثی نامہ مکمل کر کے اس پر فریقین کے دستخط لیے اور قرار پایا کہ اب اس قرارداد کا اعلان مسلمانوں کے مجمع عام میں کر دیا جائے)

افسوسناک انجام

وقت مقررہ پر فریقین کے نمائندے جب اپنے متفقہ فیصلے کا اعلان کرنے کے لیے مجمع عام میں پہنچے تو پورے گردوپیش پر سکوت طاری تھا اور لوگ دھڑکتے دلوں کے ساتھ گوش برآواز بیٹھے تھے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت ابوموسیٰؓ اشعری سے درخواست کی کہ وہ ثالثی کی قرارداد پڑھ کر سنادیں۔ چنانچہ ابوموسیٰ اٹھے اور حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے بولے:۔

"بھائیو! ہم دونوں نے امت محمدیہ کی بھلائی اور فلاح و بہبود کے لیے بالاتفاق یہ امر طے کیا ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو ہی معزول کر دیا جائے اور ان کی جگہ کسی تیسرے آدمی کو جسے آپ سب پسند کریں خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔

اس فیصلہ کے مطابق میں اعلان کرتا ہوں کہ ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیا ہے اور اس کے بعد مسلمانوں کو اختیار رہے کہ وہ جسے چاہیں اپنا امیر بنالیں۔"

حضرت ابوموسیٰؓ یہ اعلان کر چکے تو اب حضرت عمروؓ بن العاص کھڑے ہوئے اور حاضرین سے یوں خطاب کیا۔

"حضرات! آپ نے میرے معزز رفیق حضرت ابوموسیٰؓ کی زبانی فیصلہ کے الفاظ سن لیے ہیں۔ میں صرف اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ علیؓ کو معزول کر دینے کی حد تک تو مجھے حضرت ابوموسیٰؓ سے پورا اتفاق ہے مگر چونکہ معاویہؓ مقتول خلیفہ کے جائز ولی ہیں اور مقتول خلیفہ کی جانشینی کا

بھی سب سے زیادہ حق رکھتے ہیں اس لیے میں انہیں ان کے موجودہ منصب پر قائم رکھتا ہوں "

یہ روئداد ہماری تاریخی کتب میں درج ہے اور پچھلی شہرہی سے لے کر علامہ ابن جریر، ابن کثیر، ابن سعد اور دوسرے اکابر مورخین سب نے ہی اس روایت کی افسانوی تراش خراش اور تیکھے نوک پلک کی نظر افروزیوں اور باصرہ نوازیوں سے لذت حاصل کی ہے۔ روایت کا آخری حصہ یہ ہے :

"اس کے بعد فریقین آپس میں جھگڑنے لگے، سخت کلامی تک بھی نوبت پہنچی۔ لوگوں نے ایک دوسرے کو سخت سست کہا اور بوتے برستے شامی اپنے دارالسلطنت دمشق کی طرف اور عراقی حضرت علیؓ کے دارالحکومت کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

کوفہ میں حضرت علیؓ کو حکمین کے فیصلے کی اطلاع ملی تو انہوں نے اس فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور حکمین پر بدعہدی کا الزام لگایا۔ انہیں اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے کہا اور شامیوں کے خلاف لڑنے کے لیے پھر جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

دوسری طرف اہل شام جب دمشق پہنچے تو انہوں نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں اب معاویہؓ کے ہاتھ پر باقاعدہ خلافت کی بیعت کی اور آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو بیٹھے "

صریح جھوٹ

اس روایت کو بطریق مختلف اور باختلافِ الفاظ و اسالیب سُنّی اور شیعہ دونوں قسم کے مؤرخین نے اپنے ہاں جگہ دی ہے جب کہ شیعہ مؤرخین نے اپنے راویوں کی زبان سے عمروؓ کو بدعہد اور فریب کار بنا کر پیش کرنے میں اپنی سیاسی ضرورتوں کو زیادہ پیشِ نظر رکھا ہے اور انہوں نے حصولِ روایات کی دوڑ میں سنی مؤرخین کے شوقِ ذخیرہ اندوزی اور کثرِ طلبی کے مدور رس نتائج سے صرفِ نظر روا رکھنے کی کمزوری سے خوب خوب فائدہ اٹھایا ہے اور یہ بے حد افسوس ناک صورت حال ہے کہ ازمنہ گزشتہ میں نوکلام کے افسانوی اسلوب سے دل چسپی اور اپنے شوقِ بسیار نویسی نے ہمارے مؤرخین کے اندر بے احتیاطیوں کو راہ دی تھی جن کی کارفرمائی سے تاریخ کا چہرہ اپنے اصل خدوخال کی دولت سے محروم ہو گیا مگر عصرِ حاضر میں انہی بے احتیاطیوں کے لیے ہمارے علامہ و فہامہ مصنفین اور عالم اسلام کے بڑے بڑے مفکرین کی سیاسی

مصلحتیں اور انتخابی ضرورتیں تحقیق اور ریسرچ کے نام سے عالم اسلام کے لیے بدنصیبی کی علامت بن گئی ہیں اور ان کے علمی افکار اور اس صدی کی سب سے بہتر کتابیں وہی نتائج پیدا کر رہی ہیں جن کو قدیم بزرگوں کی سادگی نے تخلیق بخشی تھی اور ہمیں یہ کہنے میں ہرگز باک نہیں ہے کہ مناقشات و مشاجرات صحابہ کے ضمن میں اکثر و بیشتر روایتوں کے راوی اعتدال سے ہٹے ہوئے وضاع، ناقابلِ اعتبار اور جھوٹے ہیں اور ہم جن تاریخی کتب کو قرآن کریم کی سطح پر رکھ کر ہمارے بیشتر مؤرخین انہیں اندھا دھند ایمان وایقان کی بنیاد بنا رہے ہیں، ان کی حیثیت خود ان کے لائق مصنفین کے نزدیک بھی کچھ زیادہ قابلِ رشک نہیں ہے اور وہ جہاں اپنی ہر روایت کے لیے اس بات کا ادعا بھی رکھتے ہیں کہ یہ ہمیں تحریری صورت میں فلاں راوی سے پہنچی ہیں، وہاں وہ ان کے سنداً صحیح ہونے کی تمام تر ذمہ داری بھی قبول نہیں کرتے۔ علامہ ابن جریر طبری نے اس دور کی اکثر روایات محمد بن السائب کلبی، ہشام بن محمد الکلبی۔ السری بن اسماعیل، ابومخنف اور لوط بن یحییٰ سے قبول کی ہیں اور علمائے جرح و تعدیل کے نزدیک یہ سب کے سب باتفاق مفتری اور کذاب ہیں۔[۱]

دوسری طرف — ابن جریر نے خود بھی اعتراف کر رکھا ہے کہ:

"ہم نے صرف واقعات کو جمع کر دیا ہے ان کے صحت کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں"۔[۲]

علامہ ابن کثیر اپنی مایہ ناز تصنیف تاریخ ابن کثیر میں جن لوگوں سے بڑی دوڑ دھوپ کے ساتھ روایات جمع کرتے ہیں ان کی نسبت خود ان کی اپنی تحقیق یہ ہے کہ:

"بہتیرے مجہول راویوں نے ایسی روایات ذکر کی ہیں جو ثابت شدہ حقائق کے صریح مخالف ہیں"۔[۳]

اور ابن اثیر وہ بزرگ ہیں جن کا معمول یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دوسروں سے بے سند روایات نقل کرتے ہیں اور ابن البر کا تو پورا سرمایہ ہی دوسروں سے نقل کرنا ہے اور انہیں اس کا خود بھی اقرار و اعتراف ہے۔

باقی رہے طبقات ابن سعد کے فاضل مصنف جناب ابن سعد تو تاریخ کے ایک طالب علم کو بھی جاننا چاہیے کہ وہ بے سند اور واہی روایات کو قبول اور نقل کرنے میں سب مؤرخین سے زیادہ دلیر ہیں۔ چنانچہ تاریخ اسلام کا وہ عظیم حادثہ اور اس عالم رنگ و بو کا وہ سب سے بڑا جھوٹ ابن سعد کے ذریعہ ہی جانا گیا ہے جس نے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ترین وحی کی معصومیت کو بھی مجروح کر کے رکھ دیا تھا۔

---

[۱] میزان اعتدال وغیرہ [۲] طبری جلد اول [۳] البدایہ

اور یہ روایت ابن سعد سے ہی آئی ہے کہ

"حضور نے سورہ نجم کی تلاوت کے دوران شیطانی تصرف سے مشرکین کے بتوں کی تعریف کر دی تھی پھر جب حضور آئت سجدہ پر سجدہ میں گرے تو مشرکین نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا کیونکہ انہوں نے حضور کی زبانی قرآن کی آیت میں اپنے دیوی دیوتاؤں کی تعریف سنی تھی"

اور یہ امر تو شاید آپ کو پہلے بھی معلوم ہو کہ جناب طبری نے زید کی بیوی زینب پر حضور علیہ السلام کی فریفتگی کا لغو قصہ بڑے مزے سے بیان کیا ہے اور شوق افسانہ پذیری میں اس غلط قصہ اور بیہودہ داستان کی وہ تمام ناشائستہ کڑیاں بھی نقل کی ہیں جنہیں خدا کے ایک پاکباز بندے سے وابستہ کرتے حیا کو بھی حیا دامنگیر ہو مگر وہ زور بیان میں وحی کو عشقی بھی کہہ گیے ہیں۔

ایسے ہی اگر کوئی ان انمل بے جوڑ تاریخی روایات کی معصومیت کا قائل ہے تو اسے تاریخ نویسی کی بجائے اپنے علم و نظر کا مرثیہ تحریر کرنا چاہیے۔

واقعہ یہ ہے کہ تاریخ اور حدیث میں ایک یہ امر ملحوظ رکھے بغیر چارہ نہیں کہ تاریخ کی قیمت دریافت کرنے کے لیے متضاد و متخالف روایات کے ہجوم میں اصل شئ درایت ہے اور روایت اس کے تابع اور بطور معاون کے ہو گی بخلاف حدیث کے کہ وہاں اصل شئی روایت ہے اور درایت تابع اور معاون مانی جائے گی۔

آئیے اب اس روایت کا تجزیہ کیجئے جس کی بے شمار کڑیاں ایک دوسری کے سخت متضاد، متبائن اور متخالف واقع ہوئی ہیں اور روایت کا یہ تضاد ہی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ روایت کوئی واقعہ نہیں بلکہ ایک صنعت ہے ایک ایجاد ہے جسے ضرورتاً اختراع کیا گیا ہے اور پھر وہ گروہی تعصب اور سیاسی تیاغض کے باعث قبول شہرت پا گئی ہے ورنہ اگر یہ کوئی واقعہ ہے تو اس کو صاف سیدھا واضح مصرح اور مربوط ہونا چاہیے تھا۔

لیجئے اب ہم چند لمحے اس روایت کے اندر اتر کر اس کے نشیب و فراز کی سیر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس کی تعمیر و تشکیل اور جمع و ترتیب میں گروہی تعصب کے رخنے کہاں کہاں واقع ہیں اور ہاتھ کی صفائی نے کہاں کہاں دخل پایا ہے۔ یہ نقل عقل کے نزدیک کیا مرتبہ رکھتی ہے اور شعور اس سے کس حد تک مطمئن ہے

حقیقت کہاں پہنچ کر افسانہ بنی ہے اور پھر یہ افسانہ واقعات کے کہاں تک مطابق ہے؟
اور اگر ہمارے اس روائتی دیو کی جان اختراع کے طوطے میں ہی بند ہے تو پھر دیکھئے اس طوطے کے حلقوم سے روایت کی چھری کے چھوتے ہی روایت کے اس پھٹنے کا انجر پنجر کس آسانی سے ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔

- اس روایت کا کہنا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص کو اپنی اور اپنے ہوا خواہوں کی طرف سے اپنے اور اپنے ہمراہیوں اور ہوا خواہوں کے دستخطوں سے فیصلہ کا مجاز تسلیم کیا اور ان کو اپنے نزاعی امور میں ثالث مان کر ان کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کر دینے کا اقرار کیا۔
- پھر یہی روایت بتلاتی ہے کہ جب حکمین کا ثالثی فیصلہ سامنے آیا تو وہ کھلی آنکھوں انقلاف اور انکار کی بھینٹ چڑھ گیا بلکہ حضرت علیؓ نے تو حکمین پر بد عہدی اور نفس پرستی کا الزام بھی عائد کیا۔

اب ایک لمحہ کے لیے یہاں رک جائیے اور غور فرمائیے کہ اگر روایت کا یہ بیان صحیح ہے تو
کیا بد عہدی کا صدور حکمین کی طرف سے ہوا ہے؟ اور
غرض پرستی اور نفس رانی کیا واقعی ثالثوں کی طرف سے ہی وقوع میں آئی ہے؟
یا اس روایت نے ان ان سارے امور کو بلا واسطہ ان بزرگوں کے دامن سے باندھ دیا ہے جنہوں نے پہلے تو انہیں ثالث مقرر کیا اور ان کے فیصلہ کو تسلیم کر لینے کا اپنے دستخطوں کے ساتھ اقرار کیا مگر جب فیصلہ سامنے آیا تو اپنے خلاف پا کر اپنے قول و قرار سے صاف مکر گئے۔

معاف کیجئے گا ہم ایک وضعی افسانوی اور جھوٹی روایت کو قائم رکھنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ صحابہؓ اور ان کے خلیفۂ ارشد کو بد عہد اور نفس پرور کہنے اور ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ یہ روایت خود ساختہ جعلی اور موضوع کہی جا سکتی ہے مگر تاریخ اسلام کے ان پرشکوہ اساتین، دین حق کے جانباز مجاہدوں، قصر اسلام کے رفیع المرتبت معماروں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکباز ساتھیوں پر بد عہدی، خود غرضی اور نفس پرستی کا الزام نہیں دیا جا سکتا۔

اللہ اکبر! علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی زندگی کا وہ پورا عرصہ جب آرزوئیں جوان اور تمنائیں بے تاب ہوتی ہیں فقیری اور خدا ترسی میں بسر ہوا ہے۔ کیا انہوں نے اب زندگی کے اس آخری مرحلہ پر جب شوق نے بڑھاپے کا پیراہن زیب تن کر لیا تھا اور آرزوؤں نے فنیحوخت قبول کر لی تھی اپنی ادنیٰ دنیوی اغراض

(بقیہ بر صفحہ ۳)